© rasailojaraid.com

علمی و قلمی جہاد کی اہمیت

مولانا شہاب الدین ناظم قرآنیہ اکیڈیمی - بنگلور نمبر ۵۷

(۵)

اگر مسلمانوں نے اس طریقہ کو اپنایا ہوتا تو آج سارا ہندستان حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا ہوتا۔ اور انہیں بھیونڈی، احمد آباد، میرٹھ اور بھاگلپور جیسے روح فرسا واقعات دیکھنے نہ پڑتے۔ اصل میں یہ مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے ایک سزا ہے اپنے اصلی فرضِ منصبی کو ترک کرنے کی۔ اگر مسلمان خداوندِ قدوس کے حکم کے مطابق صحیح معنی میں جہاد نہیں کریں گے اور اس کے حکم سے اسی طرح سرتابی کرتے رہیں گے تو شاید ہمیں اور بھی بہت سے میرٹھ اور بھاگلپور دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔ (لا فعل اللہ ذٰلک)۔

تو کیا اہلِ اسلام پر اس صورت میں یہ سب سے بڑا شرعی فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ جہاد کی ایک شکل (عسکری جہاد کی) اگر ہمارے لئے جاری رکھنا ممکن نہیں ہے تو پھر ہم جہاد کی دوسری شکل جو قرآنی تصریح کے مطابق اصل اور "سب سے بڑا جہاد" ہے جاری رکھتے ہوئے اسلام کے دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کریں؟ ہمارے علماء کے نزدیک ان دونوں شکلوں کو چھوڑ کر جہاد کی پھر کونسی شکل باقی رہ جاتی ہے جس کے مطابق عمل کرکے وہ خداوندِ قدوس کے دربار میں سرخرو ہو سکتے ہیں؟ اور اس سلسلے میں حسبِ ذیل حدیثیں حجت ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اس وقت سے جہاد برابر جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری فرد دجال سے جنگ نہ کرلے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے نہ تو غزوہ (جہاد) کیا اور نہ غزوہ کی بات اس کے جی میں آئی تو وہ ایک قسم کے نفاق میں مرا۔[۲]

غرض جب ہم ان دونوں میں سے کسی بھی قسم کا جہاد نہیں کریں گے بلکہ اس سے جی چرا

---

۱ سنن ابوداؤد کتاب الجہاد : ۳/۴۰ ۲ صحیح مسلم کتاب الامارۃ : ۳/۱۵۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہیں تو پھر ہم پر ہر قسم کی مصیبتیں بھی ضرور آتی رہیں گی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی بھی پیش گوئی موجود ہے:

جس نے غزوہ (جہاد) نہیں کیا یا کسی غازی (و مجاہد) کو سامان فراہم نہیں کیا اور کسی غازی (یا مجاہد) کے اہل و عیال کا بہتر طور پر جانشین نہیں بنا تو اللہ ایسے شخص کو قیامت سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔[۲۳]

یہ قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ: یہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۸۲، انفال: ۵۱)

خُدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو ÷ وہ سجدہ جس میں ہے ملّت کی زندگی کا پیام

قرآن اور عقلی استدلال

جب جہاد کا صحیح مفہوم اور اُس کی اصل حقیقت واضح ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جہاد کیا ہے اور اُسے کس طرح انجام دینا چاہیئے۔ نیز مُجاہدین کی قسمیں بھی بخوبی معلوم ہوگئیں۔ تو اب سوچیئے کہ آج یہ جہاد کہاں انجام پا رہا ہے؟ کیا ہمارے علماء اس کو انجام دے رہے ہیں یا ہمارے مدرسوں میں اس کی تربیت دی جا رہی ہے؟

اس سلسلے میں سورۂ فرقان کی جو آیات (۵۱ - ۵۲) اُوپر پیش کی گئی ہیں وہ اصل ہیں جو اس راہ کا نقشہ متعین کر رہی ہیں۔ یعنی قرآنی حقائق و معارف کے ذریعہ (جو دراصل خُدائی دلائل و براہین کی حیثیت رکھتے ہیں اور جنہیں قرآن میں "آیات اللہ" کہا گیا ہے) کافروں اور منافقوں سے لوہا لیا جائے اور ان خُدائی دلائل کے ذریعہ علمی و استدلالی جنگ کی جائے۔

اور یہی تمام پیغمبروں کی سُنّت رہی ہے۔ جیسا کہ ہمیں خصوصیت کے ساتھ قرآن میں مذکور سابق انبیائے کرام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور اُن کے مباحثوں سے ظاہر ہوتا ہے، جو اُنہوں نے نمرود اور فرعون کے ساتھ کیے تھے۔ اگرچہ انبیائے سابقین میں حسّی معجزات کا غلبہ رہا ہے، لیکن دلیل و استدلال کا وجود بھی جلوہ افروز

---

[۲۳] سنن دارمی: ۲/۲۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتا ہے) ۔

غرض اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عصری مزاج کے مطابق عقلی استدلال اور علمی دلائل و براہین سے کام لینا انبیائے کرام کی سُنّت ہے ۔ اور یہ چیز رسالتِ محمدیؐ میں پوری آب و تاب کے ساتھ ضوء فشاں ہے ۔ اور اس حیثیت سے قرآنِ مجید سراپا دلیل اور سراپا علم و استدلال ہے، جو اس سلسلے میں آخری درجے کی چیز ہے ۔ اسی وجہ سے قرآن کو بُرہان، نُور، ہادی اور شفاء (دلوں کی بیماری کو دُور کرنے والا) وغیرہ کہا گیا ہے ۔ مثلاً :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا :

اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک (واضح) دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک نورِ روشن (قرآن) بھیج دیا ہے ۔ (نساء : ۱۷۴)

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں :

۱ ۔ ایک انبیائے کرام کی سُنّت اور اُن کا طریقۂ کار کہ ہر دور کے لوگوں سے اُن کے ذہن و مزاج کے مطابق علمی و استدلالی انداز میں گفتگو کر کے انہیں کلمۂ طیبہ کی حقیقت اور اُس کے فلسفے کا قائل کرایا جائے ۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی حقیقت علمی و عقلی انداز میں ثابت کر کے خُدا پرستانہ طرزِ زندگی سے انہیں روشناس کرایا جائے ۔ چنانچہ ہر دور میں لوگوں کو ایک خُدائے واحد کی پرستش میں طرح طرح کے شبہات پیش آرہے ہیں ۔ خواہ وہ مُشرکانہ نظریات ہوں یا جدید مادہ پرستانہ اور الحادی افکار اور فلسفے ۔ اسی لئے ہر دور میں تمام انبیائے کرام کی مشترکہ دعوت اور اُس کا محور " لا الٰہ الّا اللہ " تھا ۔ اس دعوت کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں سے محض کلمہ پڑھوا دیا جائے ۔ بلکہ عقلی اعتبار سے اس کی برتری ثابت کر کے لوگوں کو اس طرزِ زندگی سے آشنا کرانا ہے جو اس کلمہ کے اقرار کے بعد ان پر عائد ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دِقّت طلب مسئلہ ہے ۔ کیونکہ اس عظیم عمل کے لئے پہلے لوگوں کے مروجہ ذہنی و فکری رجحانات کا جائزہ لینا پڑے گا ۔ اور ان رجحانات کا پتہ چلانے کے لئے اُن کے علوم و مسائل کا بھی مطالعہ کرنا پڑے گا ۔ ورنہ نہ تو اُن کا مُوڈ بدل سکتا ہے اور نہ ہماری بات مؤثر طور پر ثابت ہو سکتی ہے ۔ حالانکہ لوگوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن عباسؓ سے مروی ہے :

اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ : ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے اُن کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں ؎۶

اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا دعوت الی اللہ کے تین طریقے ہیں : (۱) حکیمانہ طریقے سے مدعو کرنا (۲) مؤثر اور دلنشین اندازِ خطاب (۳) بہترین طریقے سے بحث و مباحثہ۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص مخاطب کے ذہن فکر اور اُس کے علوم و مسائل سے واقف ہی نہ ہو تو وہ اُس کے ساتھ بحث و مباحثہ کیسے کر سکے گا ؟ اس اعتبار سے تمام مروجہ علوم و مسائل کی تحصیل فرضِ کفایہ ہے۔ تاکہ علمی جہاد کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور کارگر بنایا جا سکے۔

۲۔ اور اس سلسلے میں دوسری جو چیز ہمارے سامنے موجود ہے وہ خود قرآن حکیم ہے۔ جو دراصل ہمارے سامنے انبیائے کرام کی دعوت کا نقشہ اور طریقۂ کار پیش کرتا ہے کہ ہم اس میدان میں کس طرح نبرد آزما ہوں۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اور اس کے نتیجے میں عائد ہونے والی طرزِ زندگی کو کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ نیز اس ابدی صحیفہ میں وہ تمام علمی دلائل بھی مذکور ہیں جو قیامت تک ہر دور کے مزاج اور ذہن و فکر کے مطابق علمی جہاد کی راہ میں مؤثر ہو سکتے ہوں۔ مگر ان کا استنباط کرنا اہلِ علم کا کام ہے۔ اسی وجہ سے ہر دور کے مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ قرآن کے ذریعہ کافروں سے زور و شور کے ساتھ جہاد کریں۔ (فرقان ۵۲)

لیکن یہ دونوں چیزیں ہمارے سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو اس سے بڑھ کر ہماری بدنصیبی اور محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ عصری مزاج کے مطابق قرآن مجید کے دلائل و براہین صرف اُسی وقت واضح ہو سکتے ہیں جب کہ قرآن حکیم اور عصری علوم دونوں کا موازنہ کر کے نئے مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں (اُس کے ابدی نصوص کے اندر) تلاش کیا جائے۔

غرض اعلائے کلمۃ اللہ (خدا کی بات کو اونچا کرنے) کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ [illegible] ایک سبز جھنڈے پر لا الٰہ الا اللہ تحریر کر کے اسے اپنے گھروں اور مسجدوں پر

؎۶ کنز العمال ۱۰/۱۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصب کر دے کہ چلو ہم نے کلمۂ توحید کو اُونچا مقام عطا کر دیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہی تو ہو سکتا ہے کہ کلمۂ توحید کی حقیقت کو دلوں اور دماغوں پر نقش کر دیا جائے۔ مگر کیا اس حقیقت کو منوانے کے لئے آزادانہ غور و فکر کا موقع فراہم کیا جائے یا تلوار اور بندوق وغیرہ لے کر لوگوں کو دھمکایا جائے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک زبردستی ہوئی، دلیل و استدلال کی بات کہاں رہی؟ دینِ اسلام تو سراپا دلیل و استدلال ہے اور وہ حجت و بُرہان کے اُس مرتبے و منزل پر فائز ہے جس سے آگے کوئی مرتبہ یا منزل ہی نہیں ہے۔ اور اُس کی اس خصوصیت میں دُنیا کا کوئی بھی دوسرا مذہب اُس کا ہمسر و شریک نہیں ہے۔ بھلا ایسے دینِ فطرت کو قتل و خونریزی سے کیا واسطہ؟ قتل و خون ریزی کی راہ تو وہی دین و مذہب اختیار کر سکتا ہے جو دلیل و استدلال کی قوت سے محروم ہو۔ ہاں البتہ قتل و خون ریزی کا جواز صرف مُدافعانہ طور پر ہو سکتا ہے جب کہ دیگر اقوام و مذاہب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کریں۔ مگر اُس وقت بھی اعتدال پسندی اور حد سے عدمِ تجاوز ضروری ہے۔ چنانچہ جہاد و قتال کا یہ فلسفہ مکی و مدنی دور کے احوال و کوائف کے انطباق سے بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ اور اس اعتبار سے اسلام کی تمام جنگیں دفاعی رہی ہیں اور کوئی بھی جنگ اقدامی نظر نہیں آتی۔

تمدنی وسائل کی شرعی حیثیت

بہرحال اب سوال یہ ہے کہ کیا ہماری ملّت آج یہ علمی و استدلالی جنگ لڑ رہی ہے یا لڑنے کے مُوڈ میں ہے؟ اسلام کی دعوت اصلاً دلوں اور دماغوں کو بدلنے کی دعوت ہے۔ اور یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو اسے حاصل کرنے سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ اسلام میں اصل چیز مقصد ہے ذرائع نہیں۔ اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو بھی ذرائع عصری مزاج کے اعتبار سے مناسب ہوں اُنہیں اختیار کرنا چاہیئے، اگرچہ وہ تمدّنی اعتبار سے بالکل ہی "نئے" کیوں نہ ہوں۔ مگر بعض لوگ جو دین کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ ان پر خواہ مخواہ "بدعت" کا الزام عائد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دین میں بدعت جس چیز کا نام ہے وہ شرعی اُمور (عبادات) سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی جو چیز دین میں داخل نہیں ہے اُسے اپنی طرف سے بطورِ اضافہ شامل کر کے اور اسے عبادت سمجھ کر انجام دینا۔ اس کے برعکس تمدنی اُموریں کوئی چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کر کے اسے دین کی مضبوطی اور استحکام کی غرض سے استعمال کرنا بدعت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز شرعی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے محض ذرائع و وسائل کو بدلنا ہے۔ نہ کہ انہیں عبادت تصور کر کے انجام دینا۔ اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور پھر تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس قسم کے ذرائع و وسائل بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس قسم کے بہتر سے بہتر "تمدنی ذرائع" اختیار کرنے کا حکم خود قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ اس موقع پر صرف ایک حدیث پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ۔ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا جس پر اُس کے بعد عمل کیا گیا تو جتنے بھی لوگوں نے اس پر عمل کیا اُن کے اجر و ثواب کے برابر اُسے بھی اجر دیا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اسلام میں جس نے کوئی بُرا طریقہ (بدعت) جاری کی جس پر اُس کے بعد عمل کیا گیا تو جتنے بھی لوگوں نے اُس پر عمل کیا اُن سب کا گناہ اُس پر ہوگا مگر لوگوں کے (اپنے) گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ [۵۵]

استدلالی جنگ اور تحقیقی عمل

اس اعتبار سے تمدنی چیزوں میں تمدنی علوم (یا جدید علوم) بھی آتے ہیں، جن میں کمال حاصل کر کے دینِ حق کی حقانیت و برتری ثابت کرنا وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے، ورنہ پھر عقلی و استدلالی حیثیت سے عصرِ حاضر پر دلیل و حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ تو کیا دینِ حق کے علمبردار آج اس خدائی فریضے کو بخوبی ادا کر رہے ہیں؟ اور خدائی شریعت کے غلبے کے لئے عملی اقدامات کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ فکر و نظر کے میدان میں تبدیلی لائے بغیر عقلی اعتبار سے شریعتِ اسلامیہ کو غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر دیکھئے شاہ بانو کیس نے ملّتِ اسلامیہ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ مگر ہمارے علماء اور قائدین نے سوائے سیاسی احتجاج کے علمی و استدلالی میدان میں

---

[۵۵] صحیح مسلم کتاب العلم ۲۰۵۹/۴ - ۲۰۶۰، ابنِ ماجہ ۷۴/۱، دارمی ۱۳۰/۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ نہیں کیا۔ (سوائے چند اخباری مضامین اور بیانات چھاپ دینے کے)۔ حالانکہ اس واقعہ نے اس چیز کی ضرورت و اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے کام کرنے والوں کے لئے ایک نادر اور سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔ کیونکہ اب تک جو لوگ (خاص کر غیر مسلم اہل علم) اسلامی قانون کا تذکرہ تک سننا پسند نہیں کرتے تھے وہ اس واقعہ کے بعد اسلامی قانون کی حقیقت سمجھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر ہماری ملّت کی مدہوشی کا بھی عجیب حال ہے کہ ۱۹۸۶ء میں "مسلم خواتین ایکٹ" بن جانے کے بعد وہ بالکل مطمئن ہو کر اپنی سابقہ ڈگر ہی پر چلی جا رہی ہے۔ اور ہمارے علماء اس موضوع پر تحقیقی کام کر کے اسلامی قانون کی برتری عقلی اعتبار سے ثابت کرنا تو درکنار اس بارے میں سوچنا بھی تضییع اوقات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس موضوع پر کام کرنے کا یہ ایک بہترین وقت تھا۔

یہی حال دیگر مسائل کا بھی ہے کہ چاہے ہمارے سروں پر قیامت آ جائے مگر ہم ٹس سے مس ہونا نہیں چاہتے۔ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ جائے تو ہنگامی طور پر تھوڑا بہت جوش دکھا کر پھر اپنی سابقہ رفتار پر لوٹ آتے ہیں۔ کسی سنجیدہ، ٹھوس اور منصوبہ بند کام کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ دین و ملّت کے استحکام کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہم علمی و استدلالی میدان میں کبھی کامیاب اور سرخرو نہیں ہو سکتے۔ جبکہ خدائی منصوبے کے مطابق دینِ اسلام کو دلیل و استدلال کے میدان میں تمام ادیان اور کُل مذاہب پر غالب کرنا مقصود ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچّا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ (فتح: ۲۸)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "افکار و نظریات کی دنیا" میں اللہ ہی کی دلیل ہمیشہ غالب رہے گی، چاہے فکری و نظریاتی اعتبار سے مادی فلسفے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لیں۔ اور تمام مظاہرِ کائنات اور اُن کے نظاموں کا جائزہ لے کر کتنا ہی اعلیٰ و برتر "فلسفہ" کیوں نہ تیار کر لیں:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ: کہہ دو کہ اللہ ہی کی دلیل پوری ہوگی۔ (انعام: ۱۴۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک ایسا قاعدہ وکلّیہ ہے جو قیامت تک کسی بھی دور میں ٹوٹ نہیں سکتا چاہے عالم انسانی سائنسی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے ۔ مطلب یہ کہ سائنسی تحقیقات کے زور پر جتنے بھی مادی فلسفے مرتب کئے جائیں گے وہ صحیح منطقی دلائل کی رُو سے خُدا کی وحدانیت اور اُس کی خلّاقیت کو ردّ نہیں کرسکیں گے ۔ بلکہ ان تمام مادّی فلسفوں اور مادّی افکار و نظریات پر خُدا کی دلیل وحجت ہی ہمیشہ بھاری رہے گی ۔

بہرحال دُنیا میں تمام انبیائے کرام کی سُنّت یہی رہی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہمیشہ کھلے کھلے دلائل وبراہین لے کر میدان میں آتے رہے ہیں ۔ چنانچہ اس سلسلے میں دو آیتیں ملاحظہ ہوں :

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ : ہم نے (اپنے) رسولوں کو خوشخبری سُنانے اور متنبہّ کرنے والے بنا کر بھیجا ہے ، تاکہ پیغمبروں (کو بھیجنے) کے بعد اللہ پر لوگوں کا الزام (عائد ہونے کی گنجائش) باقی نہ رہے ۔ (نساء : ۱۶۵)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ : ہم نے اپنے رسولوں کو (ہر دور میں) کھلے کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان بھی اُتاری ہے تاکہ لوگ (جادۂ) اعتدال پر قائم رہیں ۔ (حدید : ۲۵)

اس اعتبار سے ہر دور میں انبیائے کرام کی سُنّت کے مُطابق خُدائی دلائل و براہین کو واضح کرکے نوعِ انسانی کو راہِ ہدایت سے ہمکنار کرنا صحیح اسلامی جہاد ہے جو تمام مُسلمانوں کے لئے ایک فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اگر تمام مُسلمان اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی سے غافل ہوجائیں تو پھر سب کے سب گنہگار ہوجائیں گے ۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ دلائل و براہین کہاں ہیں ؟ تو ظاہر ہے کہ وہ خدائے عزّ وجل کے کلامِ ابدی ہی میں موجود ہیں جن کے ذریعہ نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہوسکتی ہے ۔ جیسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ : وہی ہے (تمہارا رب) جو اپنے بندے (محمدؐ) پر کھلے کھلے دلائل اُتار رہا ہے تاکہ وہ تمہیں (گمراہی کی) تاریکیوں سے (ہدایت کی) روشنی میں لے آئے۔ کیونکہ اللہ تم پر بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ (حدید : ۹)

اب ظاہر ہے کہ کلام الٰہی میں موجود ان علمی وعقلی دلائل کو اُجاگر کرنا علمائے اسلام یا علمائے حقانی کا کام ہے جو ہر دور کے ذہن و مزاج اور اُس کی منطق کے مُطابق تشفی بخش ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کلام الٰہی میں ہر دور اور ہر قوم کی عقل و منطق کا توڑ موجود ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہے کہ یہ کلام ابدی سارے جہاں کے لئے ہدایت و رہنمائی کی غرض سے نازل کیا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا : (اے محمدؐ) ہم نے آپ کو (دنیا کے) تمام لوگوں کے لئے (نیکوں کو) بشارت سنانے اور (بُروں کو) مُتنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا : ۲۸)

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ : یہ قرآن تو سارے جہاں کے لئے ایک سبق ہے (ص: ۸۷)

مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان دلائل و براہین کو عصری مزاج اور اُس کی ذہنیت کے مُطابق اُجاگر کرنے کے لئے عصری علوم و مسائل سے بھی واقفیت اور لگاؤ ضروری ہے۔ ورنہ عصر جدید پر انبیائے کرام کی سُنّت کے مطابق حجّت قائم نہیں ہو سکے گی، جیسا کہ اُوپر سورۂ نساء والی آیت (۱۶۵) میں کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ دور سائنسی علوم کے غلبے کا دور ہے اور موجودہ دور کی عقلیت کا زور توڑنے کے لئے ان علوم و مسائل میں کلامی نقطۂ نظر سے بحث کر کے دینِ حق کا غلبہ ظاہر کرنا ضروری ہے[۶] اور یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑا جہاد ہے جو ایک پیمبرانہ عمل ہے۔ لہٰذا اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کی ہر ممکن طریقے سے تائید و حمایت ضروری ہے۔

---

[۶] اس موضوع پر راقم سطور نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اور ایک تازہ کتاب "جدید علمِ کلام: قرآن اور سائنس کی روشنی میں" بھی شائع ہو چکی ہے، جس میں اس نقطۂ نظر سے پوری اور تشفی بخش بحث موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر آج ہمارے مدرسوں میں ان دلائل و براہین کی تعلیم دینے اور قرآن حکیم کے صحیح طرزِ فکر سے طلبۂ دین کو آشنا کرانے کے بجائے قدیم یونانی منطق و فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان فرسودہ علوم کی تحصیل میں عمریں کھپا دی جاتی ہیں، جن کا زمانہ اب پوری طرح لد گیا ہے۔ یا پھر محض فقہاء کے اختلافی اقوال کو رٹا دینا علم کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ قرآن اور حدیث کی صحیح تعلیم موجودہ دور کے مزاج اور اُس کی ضرورت کے مُطابق نہیں دی جاتی اور عصرِ جدید کے ہتھیاروں سے موجودہ دور میں "علمی جنگ" لڑنے اور قرآنِ عظیم کی عظمت و برتری ثابت کرنے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس تک نہیں رہ گیا ہے۔ جو بڑی افسوسناک صورتِ حال ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن مجید کو محض طوطے مینے کی طرح رٹ لینے کے بجائے اُس کے مفہوم و مدعا اور اس کی رُوح کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن ہی ہمارے لئے نسخۂ کیمیا اور ہمارے تمام شرعی و فکری مسائل میں مرشد و رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہم نے اسے جُزدانوں اور طاقوں میں سجا کر اس کو محض دُعا اور تعویذ کی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں مجھے عوام سے زیادہ ہمارے علماء سے شکایت ہے جو نئے مسائل کا حل قرآن اور حدیث سے نکالنے کے بجائے چند اقوال و فتاویٰ کو اصل قرار دے کر انہیں ہر حال میں قرآن اور حدیث پر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا اب قرآن محض برکت کی چیز یا "کتابِ تلاوت" کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ حالانکہ قرآن اور حدیث کے نصوص و احکام ہر دور میں ایک چشمۂ رواں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں اور اُن کے سُوتے کبھی خشک نہیں ہو سکتے۔ اس راہ میں ہمارے علماء کی کوتاہی دراصل موجودہ طرزِ تعلیم کا نقص ہے۔ جو قرآن اور اُس کے علوم و معارف کو اصل قرار دینے کے بجائے ارسطو، افلاطون اور بطلیموس کے نظریات کو اصل قرار دے کر قرآن کو ان فرسودہ نظریات کے تابع کرتے ہیں۔ اور جدید سائنس ان کی نظر میں ناقابلِ اعتبار ہے۔

حاصل یہ کہ ہمارے جو بھی شرعی، فکری، تہذیبی اور تمدنی مسائل ہیں ان سب کا حل قرآن اور حدیث میں موجود ہے، جن کو واضح کرنے کے لئے ہر دور میں تحقیق و ریسرچ کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کام موجودہ طرز کے مدرسوں میں انجام پانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کیونکہ ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء کسی بھی قسم کی "نئی تحقیق" سے بہت گھبراتے ہیں اور بسا اوقات اسے خلافِ دین قرار دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ لہٰذا اس قسم کی تحقیق (جو وقت کے لحاظ سے سب سے بڑا جہاد ہے) آزادانہ طور پر ہونا چاہئے۔ اگرچہ اس کام کو انجام دینے والے علماء ہی ہوں گے مگر ان کا مدرسوں کے "سایۂ عاطفت" سے آزاد ہونا ضروری ہوگا۔ اور اس راہ میں وسیع النظر، پختہ کار اور روشن فکر علماء کی ضرورت پڑے گی۔ لہٰذا ہماری اُمت کا اجتماعی فریضہ ہے کہ ایسے باصلاحیت علماء کو تلاش کرکے اس راہ میں لگائیں۔ اور اس راہ میں کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ ورنہ پھر یہ کارِ عظیم ہرگز انجام نہیں پاسکتا۔

واضح رہے راقم سطور اس وقت یہ تمام باتیں کسی وقتی جوش و جذبہ کے تحت نہیں تحریر کر رہا ہے بلکہ اس راہ میں اپنے طویل تجربات کے بعد اپنی پختہ رائے کا اظہار کر رہا ہے۔

کیا اب علمی جہاد بھی منسوخ ہو چکا ہے؟

اسلام ایک دائمی اور ابدی دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ابدیت کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے بہت سے انتظامات کر رکھے ہیں۔ تاکہ قیامت تک ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضے کے مطابق دینِ برحق کی صحیح تعلیم و تبلیغ اور اُس کی نشر و اشاعت کا کام بغیر کسی انقطاع کے مسلسل و پیہم جاری رہے۔ ورنہ پھر دین مُشتبہ ہو جائے گا۔ کیونکہ دین کی صحت کا دار و مدار علم کی صحت اور اُس کی نشر و اشاعت پر موقوف ہے۔ ورنہ ہمارا حال بھی نعوذ باللہ یہود و نصاریٰ جیسا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کے موجود ہونے کے باوجود (جن میں قرآنی تصریح کے مطابق واضح ہدایت موجود تھی) محض آپسی رقابت اور سرکشی کی بنا پر کلام الٰہی میں اختلاف کیا اور پھر اس میں تحریف کرکے اس کے الفاظ و معانی کو بدل ڈالا۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ: اور اس میں اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی، روشن دلیلیں آچکنے کے بعد (محض) آپس کی ضد کی وجہ سے۔ (بقرہ: ۲۱۳)

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ: وہ لوگ کلام کو اُس کی جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اُس نصیحت سے فائدہ اُٹھانا بھول گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو انہیں کی گئی تھی۔ (مائدہ: ۱۲)

اس بنا پر وہ نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔ یہاں تک کہ دینِ الٰہی کی اصلیت ہی مشتبہ ہو گئی۔ اسی لئے اصلاحِ عالم کے لئے قرآنِ حکیم کو نازل کیا گیا جو سارے جہاں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا اب واحد سرچشمہ ہے۔ لہٰذا اس سرچشمۂ علم کو اب قیامت تک کے لئے بے آمیز طریقے پر جاری رہنا ضروری ہے۔ ورنہ پھر اسلام کی اصلیت بھی نوعِ انسانی کے لئے مشتبہ ہو سکتی ہے۔ اور اس خدائی فریضے کو انجام دینے والے علمائے حق ہیں۔

اسی بنا پر علماء کو انبیاء کا وارث اور زمین میں اللہ کا امین کہا گیا ہے:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں [۷]

اَلْعَالِمُ اَمِیْنُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ : عالم زمین میں اللہ کا امین ہوتا ہے [۸]

اَلْعُلَمَاءُ مَصَابِیْحُ الْاَرْضِ وَخُلَفَاءُ الْاَنْبِیَاءِ : علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے جانشین ہیں [۹]

اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ : علماء اللہ کی مخلوق پر اللہ کے امین ہیں [۱۰]

اس اعتبار سے علماء کا مرتبہ بہت بڑا ہے جو اللہ کی جانب سے مخلوقِ الٰہی کے نگران و محافظ اور علمِ دین کے پہریدار ہیں۔ اور اس لحاظ سے اُن کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کا فریضہ صرف اہلِ اسلام ہی کی اصلاح کا نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کی اصلاح و درستی بھی ہے۔ چنانچہ انسانی افکار و نظریات اور اُس کے کردار و کیرکٹر میں جو بھی بگاڑ پیدا ہو جائے ان سب کی اصلاح کا بار بوجھ علماء ہی کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب کوئی نیا رسول یا نیا پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا نوعِ انسانی کے فکر و نظر اور اُس کے اخلاق و کردار کی اصلاح علماء نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟ کیا اس مقصد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے؟ واقعہ یہ ہے کہ انبیائے کرام ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے دور کی اعتقادی او

---

۷ جامع ترمذی کتاب العلم: ۴۹/۵

۸ و ۹ و ۱۰ کنز العمال: ۱۰/۷۷

© rasailojaraid.com

عملی برائیوں کو دور کرنے کی غرض سے دنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ جب علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں تو پھر اُن کو بھی یہ فریضہ تن من دھن کی بازی لگا کر انجام دینا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر اُن کا یہ دعویٰ بیکار ہے کہ ہم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کے وارثین کو تو ہمیشہ میدانِ جہاد میں برسرِ کار رہنا چاہیئے۔ مدرسوں اور مسجدوں کی چہار دیواریوں میں بند ہو کر جہاد کو معطل یا منسوخ قرار دینے کا دعویٰ کرنا انبیائے کرام کے مشن کو ختم قرار دینے کا صاف و صریح اعلان ہے۔ جہادِ عسکری تو پہلے ہی معطل ہو چکا ہے۔ اب رہا جہادِ علمی تو کیا اس کو بھی معطل و منسوخ قرار دے کر کتاب و سنّت کے ساتھ ایک مذاق کیا جائے گا؟

حاصل یہ کہ اگر علماء کو انبیائے کرام کے صحیح وارث ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر انہیں میدانِ جہاد میں کودنا چاہیئے۔ اپاہجوں کی طرح چہار دیواریوں میں بیٹھنا قطعاً حرام ہے۔ اگر وہ جہادِ علمی کو لغو اور بیکاری کا مشغلہ تصور کرتے ہیں اور انہیں "کاغذی مجاہدین" قرار دیتے ہیں[۱] تو پھر انہیں جہادِ عسکری کے میدان میں کودنا چاہیئے۔ ورنہ یہ بات اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی صراحتاً خلاف ورزی ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ : اور تم ان (کفار و مشرکین) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہے اور دین پورا اللہ ہی کا ہو جائے۔ (انفال: ۳۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ. فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ :

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نیز وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب وہ اتنا سب کچھ کرلیں تو پھر وہ اپنا خون اور

۱؎ دیکھئے ماہنامہ الفرقان'

[redacted]

© rasailojaraid.com

مال مجھ سے بچا سکتے ہیں، سوائے اسلام کے کسی حق کے۔ اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔[۸۲]

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے کسی بھی قسم کا غزوہ یا جہاد نہیں کیا اور نہ اُس کے خیال میں یہ بات آئی تو وہ ایک قسم کا منافق ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اُس نے نہ تو غزوہ (جہاد) کیا اور نہ غزوہ کرنے کی بات اُس کے جی میں آئی تو وہ ایک قسم کے نفاق میں مرا۔[۸۳]

(جاری)

۸۲؎ بخاری کتاب الایمان ۱/۱۱-۱۲، مسلم کتاب الایمان ۱/۵۱-۵۲، ابوداؤد کتاب الزکاۃ ۲/۱۹۸، ابنِ ماجہ ۲/۱۲۹۵، نسائی ۷/۷۵

۸۳؎ مسلم ۳/۱۵۱۷، ابوداؤد ۳/۲۲، نسائی ۶/۸

© rasailojaraid.com